دنیا سے متعلق حضرت علیؓ کی قرآنی بصیرت
(نہج البلاغہ کے تناظر میں)

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

خاندان بنی ہاشم کے چشم وچراغ، اسلام کے بطل جلیل، مدرسۂ نبوت محمدیؐ کے موقر اور مستند ترین فیض یافتہ ، شیر خدا، اسی عالم آب وگل میں جنت کی بشارت پانے والے اور چوتھے خلیفہ راشد ابوطالب ہاشمی اور فاطمہ بنت اسد کے نور نظر اور لخت جگر تھے۔آپ کو سرور کونین اور رحمتِ عالم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہونے کاشرف حاصل تھا۔واقعہ عام الفیل سے تقریباً انتیس سالوں بعد اور بعثت نبوی سے تقریباً دس سال قبل ۵۵۹ء میں ماہ رجب کی تیرہ تاریخ کو بروز جمعہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ والدہ ماجدہ اور والد محترم دونوں کی طرف سے آپ کو ہاشمی النسب ہونے کاشرف حاصل تھا۔[۱]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ والدۂ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا تھا جو بعد میں ضرورت شعری کی بناء پر حیدر یا حیدراً (حیدرہ) مشہور ہوگیا۔[۲] آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والد محترم کو سخت معاشی دشواریوں کا سامنا تھا، چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے اپنے انتہائی شفیق چچا کی پریشانیوں کے پیش نظر ننھے علی کی کفالت کا بار اُٹھاتے ہوئے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور سفارش کرکے دوسرے بیٹے ابو جعفر کواپنے عمّ محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی سرپرستی میں دے دیا۔[۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان چارصحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جن کے خلفائے راشدین ہونے پر امت کا اجماع ہے اور جنھوں نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے ذریعہ دنیائے انسانیت کو زریں سبق دیا ہے۔بلاشبہ آپ نے اپنی سیرت و کردار اور سیادت وقیادت کی عظیم الشان مثالوں کی شکل میں بندگان خدا کے لیے بیش بہا اور نایاب خزینے چھوڑے ہیں۔ حضور

اکرم ﷺ کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی چار معزز ترین ہستیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ہاں علمائے اہل سنت اور علمائے اہل تشیع کے مابین یہ معاملہ مختلف فیہ ہے کہ آیا آپ نبی اکرم ﷺ کے اولین اور جاں نثار شریکۂ حیات حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں یا یارغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں۔۴ اسلام کے ان چار اہم ترین ستونوں کے مابین اولیت کا معاملہ تو محل نزاع یا مختلف فیہ ہوسکتا ہے لیکن یہ بات اہل تسنن کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور غلاموں میں زید بن حارثہؓ نے سبقت ایمانی کا شرف حاصل کیا۔۵

چونکہ آپ خاتم الانبیاء ﷺ کے زیر سرپرستی تھے چنانچہ ۲۲، ۲۳ سال کی عمر تک نبوت کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسب معاش کے لیے آپ نے کوئی خاص پیشہ اختیار نہیں کیا تھا، چنانچہ ہمہ آن اور ہمہ وقت رسول اللہؐ کی حاشیہ نشینی کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھا اور اپنی زندگی اس صحبت صالحی سے فیض یاب ہونے کے لیے وقف کردی۔ یہی وجہ ہے کہ خلوت وجلوت کی مجلسوں میں بھی اور دعوت وتبلیغ کی سرگرمیوں میں بھی آپ نبی اکرم ﷺ کے دست راست بنے رہے اور کاتب وحی کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ بارگاہ رسالتؐ میں حضرت علیؓ کی حاشیہ نشینی اور شب وروز کے بیشتر اوقات میں آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے خوشہ چینی اور فیضیابی کا عمل بجا طور پر آپ کو علم وتربیت کے لحاظ سے عظمت ورفعت کے اس مقام سے ہمکنار کرادیتا ہے، جہاں کسی دوسرے صحابئ رسول ﷺ کی رسائی نہیں تھی۔۶

چھوٹی عمر میں سب سے پہلے اسلام پر لبیک کہنے والے، بے مثال خطیب، عظیم سپہ سالار، فقید المثال صاحب فکروبصیرت اور دوسرے بے شمار اوصاف وخصائص سے مزین وآراستہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حیات طیبہ کے تمام غزوات میں نمایاں کردار کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اکثر وبیشتر علم آپ کے ہاتھوں میں ہوتا۔ ۶ھ میں فدک اور ۱۰ھ میں یمن کی مہم پر آپ کمانڈر کی حیثیت سے متعین ہوئے۔ جرأت وبہادری کے ایسے مظاہرے کیے کہ آپ کی جرأت و بہادری نے مثالی اور یادگاری حیثیت اختیار کرلی۔ بدر میں بہت سے قریشی اعدائے اسلام کے سر قلم کیے، خیبر میں زبردست اور قابل رشک معرکہ آرائی کی، قلعہ فتح کیا اور مسلمانوں نے انہی کے وجود مسعود کی بنا پر یہاں فتح وظفر کے پرچم لہرائے۔ ۸ھ میں حنین کے معرکے میں بھی فداکارانہ تاریخی کردار کا ثبوت دیا۔ گویا ہمیشہ ان چند نفوس قدسیہ میں رہے جنھوں نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے مشن کی عظمت کے لیے جاں فروشی کو اپنا شیوہ وشعار بنالیا تھا۔۸ ایک

طرف حضرت علیؑ کی نبی کریم ﷺ سے شیفتگی کی حد تک محبت، آپ کے مشن سے عشق، دین کی پرخار راہوں میں پیش قدمی اور صحیح و غلط نیز حق و باطل کی معرکہ آرائی میں صبر واستقلال اور جرأت وعزیمت اور دوسری طرف فصاحت وبلاغت اور زبان و بیان پر قدرت کاملہ کا اندازہ نہج البلاغہ میں مذکور ایک خطبہ کی ان عبارتوں سے ہوتا ہے:

فَقُمْتُ بالامر حِيْنَ فَشِلُوْا وَتَطَلّعتُ حِيْنَ تَقَبّعُوا وَنَطَقْتُ حِيْنَ تَعْتَعُوا وَمَضَيْتُ بِنُوْرِ اللهِ حِيْنَ وَقَفُوْا وَكُنْتُ أَخْفَضَهُمْ صَوتاً وَاَعْلاهُمْ فَوْتاً فَطِرْتُ بِعِنَانِهَا وَاسْتَبْدَرتُ بِرِهَانِهَا كَالْجَبَلِ لاتُحَرّكُهُ الْقَوَاصِفُ وَلاَتُزِيْلُهُ العَوَاصِفُ لَمْ يَكُنْ لأَحَدٍ فِي مَهْمزٌ وَلالِقَائِلٍ فِي مَغْمَزٌ الذَّلِيْلُ عِنْدِی عَزِيْزٌ حَتّٰى اٰخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَالْقَوِيُّ عِنْدِی ضَعِيْفٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْه رَضِيْنَا عَنِ اللهِ قَضَائَهُ وَسَلَّمْنَا لِلّٰهِ اَمْرَهُ اَتَرَانِيْ اَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ واللهِ لانَا اَوَّلُ مَنْ صَدَقَهُ فَلا اَكُوْنُ اَوّلَ مَنْ كَذَبَ عَلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيْ اَمْرِی فَإِذَا طَاعَتِي قَدْ سَبَقَتْ بِيْعَتِيْ وَإِذَا الْمِيْثَاقُ فِيْ عُنُقِي بِغَيْرِی۔ ۹

(میں نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جب لوگ کمزور وبزدل ہوگئے تھے اور اس وقت متمنی ہوا جب کہ دوسرے گوشہ گیر ہوگئے تھے۔ میری زبان اس وقت کھلی جب کہ دوسرے گونگے نظر آتے تھے اور میں اس وقت نور خدا کی مدد (توفیق الٰہی) سے آگے بڑھا جب کہ دوسرے کھڑے تھے۔ حالانکہ میری آواز ان سب میں دھیمی تھی تاہم پیش قدمی میں ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ پس میرا اس تحریک کی باگ تھامنا تھا کہ وہ پرواز کرگئی اور میں اس میدان میں سبقت لے گیا۔ اور اس پہاڑ کی طرح (ثابت قدم رہا) جسے نہ تند ہوائیں جنبش دے سکتی ہیں اور نہ تیز جھکڑ اپنی جگہ سے ہلاسکتے ہیں۔ کسی کے لیے بھی مجھ میں عیب گوئی کا موقع اور حرف گیری کی گنجائش نہ تھی۔ پست وکمزور میرے نزدیک بلند و قوی ہے جب تک کہ میں اس کا حق دلوا نہ دوں اور طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق دلوانہ دوں۔ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں اور سارے امور اسی کے حوالے کردیئے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کذب بیانی سے کام لیتا ہوں؟ بخدا میں وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کی، چنانچہ آپ ﷺ پر دروغ گوئی میں پہل نہ کروں گا۔ میں نے اپنے معاملہ پر نظر کی تو دیکھا کہ میرے لیے ہر قسم کی بیعت سے اطاعت رسول مقدم تھی اور ان سے کیے ہوئے عہد وپیمان کا جوا میری گردن میں تھا)۔

بلاشبہ دنیا میں بے شمار اللہ رب العزت کی برگزیدہ اور بلند قامت ہستیاں منصہ شہود میں آئیں جن کا فیض اپنے اعزہ واقرباء، اپنے خاندان و معاشرہ بلکہ محض اپنے ملک ووطن تک محدود

نہیں رہا بلکہ تمام تر جغرافیائی حدود وقیود سے پرے اور رنگ ونسل کے امتیازات سے مافوق پوری انسانی برادری کے لیے جاری رہا۔ ایسے بہت سے جلیل القدر بندگان خدا اس دنیا میں تشریف لائے جن کے روشن کارناموں نے دنیا کو روشنی دی اور جن کے اخلاص ووفاشعاری، حق گوئی و بے باکی اور بسالت وبہادری کے انمٹ نقوش آج بھی اذہان وقلوب پر ثبت ہیں۔ ان میں بے شمار ایسے فرزندان توحید بھی ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کو عملی طور پر ہر ناحیۂ حیات میں ضابطہ زندگی تسلیم کیا اور چشمۂ نبوت سے کماحقہ سیراب ہوکر اپنی زندگی کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کردیا اور اسی راہ حق میں جان جیسی متاع عزیز کانذرانہ بھی جان آفریں کو پیش کردیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان چند پاک باز اورمقدس ہستیوں میں ہیں جنھوں نے ایسے نامساعد احوال وکوائف میں دعوت حق پر لبیک کہا جب کہ دین حق اور ہدایت کے معاملے میں سرزمین مکہ زمین شور ثابت ہوچکی تھی۔ دعوت حق کے برملاقبول کرنے اور رسول اکرم ﷺ کا جیتے جی ساتھ دینے کی یقین دہانی سے ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو تقویت ملی تو دوسری طرف باطل کے کیمپ میں لرزہ طاری ہوگیا۔ دعوت حق کی قبولیت کا یہ اعلان محض جذباتی نہیں تھا بلکہ آپ نے معرکۂ بدر سے لے کر معرکۂ تبوک تک بلکہ زندگی کی آخری سانس تک جس جوش ایمانی اور جس بے مثل عزیمت وبہادری کا مظاہرہ کیا، تاریخ وسیرت کے صفحات اس پر ناطق اور درخشاں ثبوت ہیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کے عم زادہ اوردامادی کا شرف حاصل کرنے والے، دس سال کی عمر سے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحبت صالحہ کاشرف حاصل کرنے والے، مدرسۂ فیضان نبوت سے سب سے زیادہ فیض پانے والے، سفروحضر میں تمام صحابہؓ سے زیادہ سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی خوشہ چینی کرنے والے، باب مدینۃ العلم سے ملقب کیے جانے والے اور اسلام کے دور عسرت میں سب سے بڑھ کر حمایت کرنے والے، تمام غزوات و سرایا میں بسالت وبہادری کا بے مثل جوہر دکھلانے والے اور معاندین ومخالفین کے کیمپ میں لرزہ طاری کردینے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملت اسلامیہ وہ مرتبہ ومقام نہ دے سکی جس کے وہ اہل تھے۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ ان کی عظمت مسلمانان عالم کے ایک گروہ میں محصور ہوگئی اور صداقت تویوں نظر آتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے اس مخصوص طبقہ میں بھی خلیفۂ رسول حضرت علیؓ کی وہ قدر نہ ہوسکی جس کے وہ اہل تھے۔ اس موقف کی تائید میں بیسویں صدی کے محقق سیدابوالحسن علی ندوی کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

"انہی مظلوم شخصیات میں جن کے حقوق نہ صرف یہ کہ ادانہ ہوئے، بلکہ ان کے حق میں شدید بے انصافی روا رکھی گئی، حضرت سیدنا علیؑ بن ابی طالب کی بلند ومحبوب شخصیت بھی ہے۔ مخصوص حالات ، خاص قسم کے عقائد اور چند نفسیاتی اسباب کی بناء پر ان کی سیرت پر بہت گہرے اور دبیز پردے پڑگئے ہیں۔ارباب بحث و تحقیق تو الگ رہے خود وہ لوگ جو ان کی عظمت کے گن گاتے ہیں اور ان کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کیے ہوئے ہیں ، انھوں نے بھی اکثر اوقات ان کی سیرت کا مطالعہ معروضی اور تحقیقی انداز میں نہیں کیا ہے اور پورے ماحول اور ان کے عہد کے تقاضوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر امانت وغیر جانبداری کے ساتھ پیش نہیں کیا"۔[۱۰]

نہج البلاغہ در اصل حضرت علی کی بلندیٔ فکر، وسعت نظر، تبحر علمی ، فقہی بصیرت، زندگی کے جملہ امور ومسائل سے متعلق فکر انگیز اور نتیجہ خیز بحث، دنیا اور سامانِ دنیا سے متعلق قرآنی فکر کی تعبیر وتشریح ،آخرت سے متعلق ہدایات ربانی کی صحیح تفہیم وتوضیح ، حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد کے مختلف پہلوؤں کی دلنشیں پیرایہ بیان میں تعلیم وتلقین، زبان وادب سے متعلق فنی ندرتیں،اوراساتذہ علم وادب کے لیے زریں اسباق، گویا یہ خزینۂ تعلیم وتربیت اور فکروادب کابحر بیکراں ہے جس سے بے اعتنائی برتنا یا شان استغناء کا مظاہرہ کرنا لعل وگہر کھونے بلکہ شقاوت وبدبختی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، نہج البلاغہ کے اُردو مترجم مفتی جعفر حسین صاحب یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"نہج البلاغہ علوم ومعارف کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے جس کی اہمیت وعظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور ہر عہد کے علماء وادباء نے اس کی بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔یہ صرف ادبی شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت واخلاق کا سرچشمہ، معارف ایمان اور حقائق تاریخ کا ایک انمول خزانہ ہے جس کے گوہر آبدار علم وادب کے دامن کو زرنگار بنائے ہوئے ہیں اور اپنی چمک ودمک سے جوہر شناسوں کو محوحیرت کیے ہوئے ہیں۔افصح العرب کے آغوش میں پلنے والے اور آب وحی میں ڈھلی ہوئی زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے بلاغت کلام کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر سمت سے فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق کی صدائیں بلند ہونے لگیں"۔[۱۱]

امیرالمؤمنین اور خلیفۂ راشد سیدناعلی کرم اللہ وجہہ کے مواعظ ونصائح اور فن وادب کی ندرتوں پر مشتمل یہ مجموعہ دراصل اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔موجز ومختصر جملوں اور ضرب

الامثال کی شکل میں ایمان وایقان، اخلاص وللّٰہیت، جرأت وبے باکی، حق گوئی وصداقت، انسانی عظمت ورفعت اور عدل ومساوات کا دراصل خزینۂ بے بہا کا نام نہج البلاغہ ہے۔ خطبات کی معنویت وعظمت، شہرت ومقبولیت اور علم وادب کے ستونوں کی جانب سے سند قبولیت کی بناء پر جناب سید شریف رضی، برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں بڑی کدوکاوش اور اہتمام انصرام کے ساتھ جمع و تالیف کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ حضرت علیؑ کے تقریباً ۲۳۸ خطبات، ۷۹ مکتوبات اور ۴۸۰ حکم ومواعظ پر مشتمل شریف رضی کی یہ نابغہ روزگار تالیف ہر دوراور ہر قرن میں تربیت واخلاق کے جوہر بکھیرتی رہی ہے اور عوام، علماء، ادباء، فقہاء، متکلمین گویا کہ نوع بشری کے تمام طبقات کے لیے مشعل ہدایت بنتی رہی ہے۔

فی الحقیقت سید رضی نے خصائص الائمہ کے نام سے اثنا عشرہ کے احوال وکوائف کے لکھنے کا آغاز کیاتھا اور اپنے شیخ صاحب الارشاد کے نقش پا کی پیروی کرتے ہوئے خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے احوال زندگی رقم کرنے کے بعد اقوال زرّیں اور مواعظ حسنہ کی طرف رجوع کیا اور ان میں سے انتخاب کرناشروع کیا، یہاں تک کہ کتاب کی شکل بن گئی اور اسے اس قدر شہرت حاصل ہوگئی کہ خصائص الائمہ کی تالیف رُک گئی۔[۱۲]

فکروادب دونوں پہلوؤں سے نہج البلاغہ کو علماء، حکماء، فلاسفہ اور ادباء قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں اور ہر دور کے مزاج کے لحاظ سے اس ذخیرہ ادب سے خوشہ چینی کو شرف واعزاز سمجھتے رہے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی اوردیگر زبانوں میں سیکڑوں شرحیں لکھیں جاچکی ہیں۔اس کے خطبے الگ الگ شرح وبسط کے ساتھ اشاعت کے مرحلے سے گزر چکے ہیں نیز اس کے مندرجات ومشتملات پر بھی سیر حاصل بحثیں ہوتی رہی ہیں۔ شروح میں ابوحامدعزالدین عبدالحمیدکی شرح،شرح ابن ابی الحدید،علی ابن الناصر کی شرح اعلام نہج البلاغہ، شیخ کمال الدین میثم ابن علی ابن میثم بحرانی کی شرح ابن میثم، میرزا ابراہیم خوئی شہید کی شرح درہ نجفیہ اور سید حبیب اللہ خوئی کی شرح مہناج البراعہ ان شروح میں ہیں جنھوں نے بڑی مقبولیت وپذیرائی حاصل کی ہے۔عصر جدید میں مفتی محمد عبدہ مصری نے بھی ایک بسیط اور دلکش مقدمہ کے ساتھ مختصر شرح لکھی۔[۱۳]

بہر حال یہ بات قابل ذکر ہے کہ نہج البلاغہ کی شکل میں علامہ شریف رضی کی مسلسل اور مبارک جہدوکاوش کاثمرہ دنیائے علم وعرفان کے لیے نایاب تحفہ ہے اورعلم وادب کی دنیا پر بڑا احسان ہے،جس کے فکرانگیز اورمعنی آفریں معارف وحکم نے اہل دنیا کی توجہات کو اپنی جانب

مبذول کرایا ہے اور علم وادب کے شہ سواروں نے اس بحر ناپیداکنار میں غوطہ زنی کرکے ہر دور میں لعل وگہر نکالے ہیں۔اردودائرہ معارف کے مقالہ نگار کے مطابق :

"نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کی شخصیت ، عظمت، آپ کے اوصاف واعمال اور سیاست و اصول زندگی کا پورا مرقع نظر آتا ہے۔یہ کتاب بلاغت اورحکمت اسلام کی تصویر ہے۔اس کا مطالعہ افکارحضرت علیؑ،تاریخ اسلام ومطالعہ ادب وحکمت کے لیے ضروری سمجھا گیاہے۔نہج البلاغہ میں تاریخ،نبوت، سیرت آنحضرت ﷺ ، روح ایمان، انسانی اقدار اورحق وصداقت کے اظہار وابلاغ کے معجز نما خطبے اور خطوط موجود ہیں"۔۱۴

انسانیت نوازی وبشر دوستی ،ہمدردی وغمگساری، عدل وانصاف، ایمان وایقان کی حلاوت وسحر انگیزی، انسانی قدروں کی افزائش اور ظلم وجور کے خلاف اعلان بغاوت ، حق وصداقت کا اعلان واظہار، فکرآخرت کی تلقین اور دنیا اور اسباب دنیاکے سلسلے میں معنی خیز اور حیات آفریں پیغام یہ سب بلاشبہ نہج البلاغہ کے فکری اور نظریاتی پہلو ہیں جن کا قرآن وسنت کے علاوہ کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔اس کا دوسرا اہم پہلویہ ہے کہ یہ کتاب ادبی شہ پارہ ہے۔یہ اس دور کی تخلیق ہے جب کہ عربوں کی طلاقت لسانی اور جوش گفتاری کا دائرہ نظم تک ہی محصور تھا۔بلاشبہ صحرانشین عربوں کے پاس منظوم شکل میں قابل ذکر سرمایہ موجود تھا، لیکن منثور ادب کا کوئی ایسا نوشتہ قرآن کے علاوہ نہیں تھا، جسے وہ بہراعزازو تفاخر دنیائے علم وادب کے سامنے پیش کرسکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے خطبات ، مکتوبات اور حکم ونصائح پر مشتمل یہ مجموعہ نثری ادب میں ان عربوں کے لیے بھی سرمایہ افتخار بن گیاتھا جس کی فیض رسانی کا سلسلہ علم وادب کے نشوونما میں تاحال جاری ہے۔زبان وادب کے لحاظ سے اس مجموعہ خطبات ومواعظ کی اہمیت پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار گویا ہے:

"The sayings and sermoms of Ali and those utterances attributed to him, are collected in a book called the Nahj al-Balaghah which has long served as a model for the use of Arabic much as the speeches of Cicero once did for Latin. It was Ali who first laid down the rules of formal Arabic Grammer, notably describing language as made up norms, verbs, and particles۱۵-".

(حضرت علیؑ کے اقوال، خطبے اور ان کی طرف منسوب پندونصائح کی باتیں ایک کتاب میں جمع کردی گئی ہیں ،جونہج البلاغہ سے موسوم ہے، جس نے عربی زبان کے استعمال کے لیے ایک

لمبی مدت تک اسی قدر خدمت کی ہے جس طرح سیسیرو نے لاطینی زبان کے لیے کسی وقت کی تھی۔ حضرت علیؑ کی ہی وہ شخصیت ہے جس نے پہلی بار معروف اور مروج عربی گرامر کے اصول وضوابط بنائے بالخصوص زبان کو اسماء، افعال اور متعلقات فعل کی حیثیت سے متعارف کرایا۔)

دنیا امتحان گاہ ہے، موت کے بعد کی زندگی کو نتیجہ گاہ یادارالجزاء کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ دنیا اور اسباب دنیا شجر ممنوعہ کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ دنیا کو اللہ کی مرضی کے مطابق اور رسولؐ کے طریقے کے مطابق برت کر ہی لافانی زندگی کی زوال ناآشنا مسرتوں کے حصول کے لیے توشہ راہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی حقیقت اس بھوسہ کے برابر ہے جو دانے کو حاصل کرنے کے لیے الگ کردیا جاتا ہے اور ہوائیں اسے جدھر چاہتی ہیں اڑا لے جاتی ہیں۔ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی، سراپا خیر اور قائم و دائم ہے۔ خواہشات نفس کی اسیری انسان کو اس کی عظمت ووقار سے دور کرکے جانور بلکہ جانور سے بدتر بنادیتی ہے اور انہی خواہشات کو معبود بناکر انسان احسن تقویم سے گرکر اسفل سافلین کے قعر عمیق میں جاگرتا ہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات جو انسان کو دونوں جہاں کی سعادتوں کا مستحق بنادیتی ہیں، اس مجموعۂ فکروفن میں جابجا دعوت فکرونظر دیتی ہیں۔

دنیا اور آخرت سے متعلق قرآنی ہدایات اور سنن نبویہ ﷺ سے جو حقیقت مترشح ہوکر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اوراس زندگی کے بعد جو دنیاآئے گی وہ لافانی ہے۔ فانی زندگی کے بجائے اس لافانی اور سرمدی زندگی کی مسرتوں کے حصول کو ہی مرکز توجہ بنانا چاہئے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے استقصاء کے بعد ماحصل کے طور پر یہ سامنے آتا ہے کہ حضرت علیؑ کا زہد، ورع اور دنیا سے بے التفاتی وبے رغبتی کاپہلو غالب رجحان کے طورپر دعوت فکروعمل دیتاہے۔ بیسویں صدی کے مایہ ناز عالم دین اور علم وادب کی دنیا میں معروف ومقبول شخصیت کی رائے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ کی عمومی سیرت کے تمام روزناچوں سے متعلق ہو، لیکن راقم کے نزدیک نہج البلاغہ کے مشتملات کی روشنی میں بھی یہ رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے:

"حضرت علیؑ کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اوروہ بات جو ان کی علامت اور پہچان بن گئی تھی، وہ ان کی دنیا سے ایسی حالت میں بے رغبتی و بے نیازی تھی جب کہ عیش وآرام کے تمام اسباب ان کے قدموں پر تھے اور حکومت کے پورے اختیارات اور فراغت ودولت کے سارے وسائل واسباب آپ کو حاصل تھے۔ لوگوں کی طرف سے تعظیم وتکریم میں کوئی کمی نہ تھی، کوئی ان پر نقد نہیں کرسکتا تھا اور نہ محاسبہ کرسکتا تھا"۔[۱۶]

بلاشبہ دنیااور آخرت دونوں حقائق بالکل اسی طرح ہیں جس طرح امتحان ہال اور نتیجہ گاہ کی حیثیت ہوتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، ایک شخص جیسا عمل کرے گا اس کے مطابق اپنا اجر اس زندگی کے بعد یقینی طور پر پائے گا۔ اس سلسلے میں بے شمار قرآنی ہدایات اپنی جانب توجہ مرکوز کراتی ہیں۔ بطور مثال یہ قرآنی تعلیمات ذہن نشین کرائی جاتی ہیں، ایک جگہ فرمایا جاتاہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ۔[۱۷]

(تم میں سے جو کوئی بھی اچھا عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ہم یقیناً اس سے اچھی زندگی گزروائیں گے اور بالیقین ہم ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیں گے۔)

اس چند روزہ زندگی میں جسے امتحان گاہ کی حیثیت حاصل ہے، ایمان اور اعمال در اصل آدمی کو انسان بلکہ تمام مخلوقات میں افضل واشرف بنادیتے ہیں اوریہی ایمان واعمال آدمی کو جانور بلکہ بدترین مخلوق بنادیتے ہیں۔ گویا اعمال صالحہ، آدمؑ وحواؑ کی اولاد کو تمام مخلوقات میں فضل وبرتری کاحامل بنادیتے ہیں، اس کے بالمقابل کفر اور اعمال سیئہ اولادِ آدم کو تمام مخلوقات میں پرلے درجے کا ذلیل بنادیتے ہیں، اس سلسلے میں اللہ رب العزت کاارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُوْلٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ اُوْلٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۔ جَزَاءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔[۱۸]

(بلاشبہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین، جہنم میں ہوں گے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ بلاشبہ جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے وہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے نزدیک باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے)

ایک جگہ دارالعمل کی حیثیت بتاتے ہوئے قرآنی اصول کو یوں واضح کیا گیا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ۔[۱۹]

(پس جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی برائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا۔)

دارالجزاء میں جو فیصلہ ہوگا، وہ اس زندگی کے اعمال وافعال کی بنیاد پر ہوگا۔ ایک طرف ایک شخص اپنی پسند کی زندگی کے مزے لے گا اور دوسری طرف ایک دوسرا شخص وہ ہوگا جس کی جائے قیام جہنم ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ۔ [20]

(پس جس کے (اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانہ گہری کھائی (جہنم) ہوگا)۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ حقائق منکشف ہوتے ہیں کہ گویا دنیا توشہ آخرت جمع کرنے کی جگہ، اور مسافر کا راستہ ہے نہ کہ منزل، جہاں آرام وچین ہی متوقع ہو اور سکون وراحت کی خواہش ہو۔ یہ دل لگانے کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس سے بے اعتنائی وبے نیازی کا مظاہرہ کیا جانا چاہیے اور ہر لمحہ وساعت کو امتحان گاہ کے لمحات وساعات کی طرح قابل قدر سمجھنا چاہیے۔ یہ تمام تعلیمات وتلقینات اچھوتے انداز اور دلنشیں پیرایہ بیان کے ساتھ مندرجہ ذیل خطبہ میں جلوہ گر ہیں:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الدُّنْيَا دَارُ مَجَازٍ وَالآخِرَةُ دَارُ قَرَارٍ فَخُذُوا مِنْ مَمَرِّكُمْ لِمَقَرِّكُمْ وَلاتَهْتَكُوا اَسْتَارَكُمْ عِنْدَ مَنْ يَعْلَمُ اَسْرَارَكُمْ وَاَخْرِجُوا مِنَ الدُّنْيَا قُلُوبَكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا اَبْدَانُكُمْ۔ فَفِيهَا اُخْتُبِرْتُمْ وَلِغَيْرِهَا خُلِقْتُمْ اِنَّ الْمَرْءَ اِذَا هَلَكَ قَالَ النَّاسُ مَا تَرَكَ وَقَالَتِ الْمَلائِكَةُ مَا قَدَّمَ۔ لِلّٰهِ آبَاؤُكُمْ فَقَدِّمُوا بَعْضاً يَكُنْ لَكُمْ قَرْضاً وَلاتُخَلِّفُوا كُلّاً فَيَكُونُ عَلَيْكُمْ كَلاً۔ [21]

(اے لوگو! یہ دنیا گزرگاہ اور آخرت جائے قرار ہے۔ اس راہ گزر سے اپنی منزل کے لیے توشہ اٹھالو، اور جس کے سامنے تمہارا کوئی بھید چھپا نہیں رہ سکتا، اس کے سامنے اپنے پردے چاک نہ کرو۔ قبل اس کے کہ تمہارے جسم دنیا سے الگ کردئے جائیں اپنے دل اس سے ہٹالو۔ اس دنیا میں تمہیں جانچا جارہا ہے لیکن تمہیں پیدا دوسری دنیا کے لیے کیا گیا ہے۔ جب کوئی انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا چھوڑ گیا ہے اور فرشتے چرچا کرتے ہیں کہ اس نے آگے کے لیے کیا سروسامان کیا ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے، کچھ آگے کے لیے بھی بھیجو کہ وہ تمہارے لیے ایک طرح سے (اللہ کے ذمہ) قرض ہوگا۔ سب کا سب پیچھے نہ چھوڑ جاؤ کہ وہ تمہارے لیے بوجھ ہوگا۔)

گزر گاہ سے زاد راہ لینے کی تلقین، دنیا سے شانِ بے نیازی کی تعلیم، انسان کی اصل منزل آخرت کی دلنشیں پرایہ بیان میں تذکیر، موت کے وقت وارثین کو اس کے چھوڑے ہوئے مال کی فکر اور فرشتوں کو اس کے اعمال کی بابت تشویش، مال ودولت پر کنڈلی مار کر بیٹھ رہنے کی ہلاکت وبربادی سے تعبیر اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کرنے کو اپنی خیر وفلاح سے تشبیہ ، مندرجہ بالا

خطبے میں ان ساری تعلیمات کو چند الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے، گویا سمندر کو کوزے میں بند کرلیا گیاہے۔

اس دنیا کو اللہ رب العزت نے امتحان گاہ بنا کر تمام لوازم وضروریات اور مختلف النوع اشیاء واسباب سے آراستہ کردیا ہے، لیکن یہ محض اس لیے ہے کہ اس کائنات کی شاہکار مخلوق اوراس دنیا کے اصل امتحان دہندہ کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے کہ اس کو اس آزمائش گاہ میں بے سروسامان رکھا گیا ہے۔[۲۲] لیکن اس دنیا کو اس حیثیت سے استعمال کیا جائے کہ یہ دنیا اصل اور لافانی زندگی کے لیے توشہ کی فراہمی کا ذریعہ بن جائے، یہی بڑی سعادت وخوش بختی کی بات ہے۔ بصورتِ دیگر اگر اس دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ ہوجائے، یہاں کے آرام وآسائش کے حصول کے لیے سرپٹ دوڑا جائے اور دنیا ومافیہا کے حصول کو ہر حال میں مطمح نظر بنالیا جائے تو پھر یہ متاع غرور ثابت ہوتی ہے، جس سے جگہ جگہ قرآن مجید میں متنبہ فرمایا گیا ہے۔[۲۳] دنیا کی ناپائداری، بے بضاعتی اور اس کے فریب وسراب ہونے سے متعلق حضرت علیؑ کے ایک اہم خطبہ کے یہ الفاظ کماحقہ قرآنی فکر کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں:

فَاِنِّیْ اُحَذِّرُکُمُ الدُّنْیَا فَاِنَّهَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ حُفَّتْ بِالشَّهْوَاتِ وَتَحَبَّبَتْ بِالْعَاجِلَةِ وَرَاقَتْ بِالْقَلِیْلِ وَتَحَلَّتْ بِالْآمَالِ وَتَزَیَّنَتْ بِالْغُرُوْرِ۔ لَاتَدُوْمُ حَبْرَتُهَا وَلَاتُوْمَنُ فَجْعَتُهَا۔ غَرَّارَةٌ ضَرَّارَةٌ حَائِلَةٌ زَائِلَةٌ نَافِدَةٌ بَائِدَةٌ اَکَّالَةٌ غَوَّالَةٌ۔[۲۴]

(میں تمہیں دنیا سے متنبہ کرتاہوں، اس لیے کہ یہ بظاہر شیریں وشاداب ہے، نفسانی خواہشات سے گھری ہوئی ہے اور وہ جلد میسر آنے والی نعمتوں کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور حقیر سی چیزوں سے مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ امیدوں سے سجی ہوئی اورفریب سے آراستہ ہے۔ نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے محفوظ رہاجاسکتاہے۔ وہ دھوکے باز، نقصان رساں، تغیر پذیر اورفنا ہونے والی ہے، ختم ہونے والی ،مٹ جانے والی ہے،بڑی کھاجانے والی اور ہلاک کردینے والی ہے۔)

دنیا کی آرائشوں اور دلفریبیوں پر ریجھنا، بڑی بدبختی و ناکامی ہے، اس لیے کہ یہ زوال پذیر ہیں اورانسان کو اصل منزل سے روک دینے والی ہیں۔ آخرت کی لازوال مسرتوں کو نظر انداز کردینے اوررضائے الٰہی سے بے پرواہ ہونے کی صورت میں یہ حقیقی سعادت وکامرانی کے لیے زبردست مانع ومزاحم بن جاتی ہیں۔ ایک دوسرے خطبے میں بھی دنیا کی ذلت و حقارت اوراس کی ناپائیداری وبے بضاعتی کویوں بیان فرمایا جاتاہے:

فلاتنافسوا فی عزّ الدّنیا وفخرھا ولاتعجبوا بزینتھا ونعیمھا ولاتجزعوا من ضرّائھا وبؤسھا، فانّ عزّھا وفخرھا الی انقطاع - وانّ زینتھا ونعیمھا الی زوال، وضرّاءھا وبؤسھا الی نفاد - وکلّ مدّۃ فیھا الی انتھاء وکلّ حیّ فیھا الی فناء - ۲۵

(دنیا کی عزت اوراس پر فخر کرنے میں مقابلہ نہ کرو اور نہ اس کی آرائشوں اور نعمتوں پر خوش ہو اور نہ اس کی سختیوں اورتنگیوں پر بے صبری سے چیخنے اور چلانے لگو۔اس لیے کہ اس کی عزت وفخر دونوں مٹ جانے والے ہیں اور اس کی آرائشیں اورنعمتیں زائل ہوجانے والی ہیں اوراس کی سختیاں اور تنگیاں ختم ہوجانے والی ہیں۔اس کی ہر مدت کاانجام اختتام اورہر زندہ کاانجام فنا ہے۔)

انسان حیوان سے اونچامقام رکھتا ہے، یہ بات تو ہر خاص وعام کومعلوم ہے ،اس لیے کہ جانور کو شعور نہیں دیاگیا ہے اور نہ ہی اسے قوت تمیز عطا کی گئی ہے کہ وہ جائز وناجائز،حلال وحرام اور صحیح وغلط کے فرق وامتیاز کے ساتھ کوئی کام کرنے کا مکلّف ہو۔اسی طرح فرشتوں کواگر شعور کی نعمت ودیعت کی گئی ہے تو انہیں اختیار نہیں دیاگیا ہے کہ وہ صحیح وغلط، جائز و ناجائز، صدق وکذب اور مستحسن وقبیح میں کسی بھی پہلو کو اختیار کرسکتے ہیں۔بلکہ فرشتے مجبور محض ہوتے ہیں، وہ وہی کرنے کے مکلّف ہیں جس کا اللہ انھیں حکم دیتاہے۔۲۶ہاں ان دونوں کے مقابلے میں انسان مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بلندی پر فائز ہے، بلکہ احسن تقویم پر اس کی خلقت ہوئی ہے۔۲۷ تمام موجودات ارضی وسماوی میں اسے مکرم بنایا گیا اور بحروبر پراسے قدرت دے دی گئی،۲۸ بلکہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس وجودمسعود کے لیے مسخر کردی گئیں۔۲۹ انسان جو اس کائنات کا اصل موضوع بلکہ اس کائنات کا مخدوم ہے، اسے ایک طرف عقل وشعور کی نعمت سے نوازا گیا تو دوسری طرف صحیح وغلط ،جائز نا جائز اورحلال وحرام کاموں کے لیے اختیار دے کر اسے دنیا کی اس امتحان گاہ میں چھوڑ دیاگیا۔اگر وہ عقل وشعور کاسہارا لے کر اپنے نفس پر قابو پاتے ہوئے اوراللہ کی مرضی کو متحضر رکھتے ہوئے اپنے شب وروز کے معمولات ومصروفیات کا رخ متعین کرتا ہے تو گویا وہ دونوں جہاں کی سعادت سے ہمکنار ہوتاہے۔اس کے برعکس اگر اس نے نفس کو قابو میں نہیں کیا اورخواہشات کی غلامی کاطوق اپنی گردن میں ڈال لیا تو فرشتوں سے اونچا ہونے کی بات تو بعید از قیاس، وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتاہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ اس سلسلے میں ناطق ہے:

اَرَأَیت مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہُ ھَوَاہُ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا۔ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْیَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلاَّ کَالاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ ۳۰

(کیاتم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کوخدا بنالیا ہے؟ کیا تم اس کے ذمہ دار ہو؟ کیاتم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بیشتر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ جانوروں سے زیادہ گم گشتۂ راہ ہیں۔)

گویا عقلمند اوردانا وبینا وہ شخص ہے جو خواہشات کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے کوشاں وسرگرم عمل ہو،اس کے برعکس نادان اوراحمق وہ ہے جو بہر حال اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کاخوگر رہتا ہو۔یہی چیز اسے حق سے روک دیتی ہے اور عزت وعظمت کے مقام سے گرا کرجانوروں سے زیادہ ذلیل وخوار بنادیتی ہے۔ بالآخر یہ آخرت کی کامیابی میں بھی زبردست مزاحم بن کر سامنے آتی ہے۔ خلیفہ راشد اپنے ایک خطبہ میں متنبہ فرماتے ہیں:

"اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اَخْوَفَ مَااَخَافُ عَلَیْکُمُ اثْنَانِ: اِتِّبَاعُ الْھَوٰی، وَطُوْلُ الاَمَلِ، فَاَمَّا اِتِّبَاعُ الْھَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الاَمَلِ فَیُنْسِی الاٰخِرَۃَ"۔ ۳۱

(اے لوگو مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کاڈر ہے، ایک خواہشوں کی پیروی دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشات کی پیروی وہ چیز ہے جوحق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلادیتا ہے۔)

لافانی زندگی کی لافانی مسرتوں کے حصول کی کوشش کرنے والا شخص واقعی داناوبینا ہے، اسی لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ،۳۲ اسی زندگی کے لیے فکرمندی اور دوڑ بھاگ کرنے کی تعلیم دی گئی۔رسول اکرم ﷺ نے بھی ایسے شخص کو اہل بینش میں شمارکیا ہے جوخواہشات کو قابومیں رکھے اورموت کے بعد کی منزل کا توشہ فراہم کرنے کی کوشش کرے۔۳۳ اس سلسلے کی قرآنی ہدایات اور فرمودات نبوی ﷺ کی تعبیر وتشریح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انتہائی موثر پیرایہ بیان میں اس طرح کی ہے:

فَاَخَذَ امْرُءٌ مِنْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ وَاَخَذَ مِنْ حَیٍّ لِمَیِّتٍ وَمِنْ فَانٍ لِبَاقٍ وَمِنْ ذَاھِبٍ لِدَائِمٍ۔ اَمْرُؤٌا خَافَ اللّٰہَ وَھُوَ مُعَمَّرٌ اِلٰی اَجَلِہٖ وَمَنْظُوْرٌ اِلٰی عَمَلِہٖ اَمْرُءٌ لَجَّمَ نَفْسَہٗ بِلِجَامِھَا وَزَمَّھَا بِزِمَامِھَا فَاَمْسَکَھَا بِلِجَامِھَا عَنْ مَعَاصِی اللّٰہِ وَقَادَھَا بِزِمَامِھَا اِلٰی طَاعَۃِ اللّٰہِ۔ ۳۴

(پس چاہیے کہ انسان خود اپنے سے اپنے لیے اور زندہ سے مردہ کے لیے اور فانی سے لافانی کے لیے اورختم ہونے والی (زندگی) سے ہمیشہ ہمیش (والی زندگی) کے لیے فلاح وبہبود

حاصل کرے۔ وہ انسان جسے ایک مدت تک عمر دی گئی اور عمل کے لیے مہلت بھی دی گئی، وہ اللہ سے خوف کھائے۔ مرد وہ ہے جو اپنے نفس کو لگام دے کر اور اس کی باگیں چڑھا کر اپنے قابو میں رکھے اور نفس کو لگام دے کر اللہ کی نافرمانیوں سے روکے اور اس کی باگیں تھام کر اللہ کی اطاعت کی طرف اسے لے جائے)۔

مثالی فرد اور مثالی معاشرہ کے اوصاف وخصائص میں اعتدال پسندی ایک نمایاں وصف ہے، جسے قرآن وسنت میں اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دنیا کے سلسلے میں بھی قرآن مجید کا نظریہ اعتدال پر مبنی ہے۔ اسلام میں رہبانیت پسندیدہ عمل نہیں ہے بلکہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کی فکر یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر اور گوشہ گیر ہو کر ایک شخص نہ ہی کماحقہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائگی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، کیونکہ وہ اس صورت میں والدین، زوجین، اعزہ واقرباء، ہمسایہ معاشرے کے خستہ حال افراد، یتیموں، فقراء اور غرباء سے دور رہ کر اور ان کے حقوق کی ادائگی سے کنارہ کش ہو کر گویا وہ ظلم عظیم کا ارتکاب کرتا ہے جس کے نتیجے میں قیامت کے روز اسے بڑے دیوالیہ پن سے سابقہ پڑے گا۔ اسی لیے وہ دنیا کو چھوڑنے اور اس سے کنارہ کش ہونے کی نہیں بلکہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔[۳۵] ہاں آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے، یہ زندگی ہر انسان کی منزل ہے اور اس زندگی کو فنا نہیں ہے، یہاں کی لذتیں ابدی ہیں اور یہاں کا عذاب بھی دائمی ہے، اس لیے اس دنیا کو اس طرح برتا جائے کہ اصل زندگی میں ناکامی ونامرادی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ گویا یہ دنیا 'حسنہ' کی شکل میں بندۂ مومن کی مطلوب[۳۶] اس وقت ہو جاتی ہے، جب یہ جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور آخرت کے لیے توشۂ راہ فراہم کرنے میں مدد ومعاون بن رہی ہو، بصورت دیگر یہ واقعی 'فتنہ' ہے۔[۳۷]

نہج البلاغہ میں دنیا سے بے اعتنائی وبے التفاتی کی جابجا تعلیمات وتلقینات سے ظاہر بیں نگاہیں یہ تاثر لیتی ہیں کہ یہ دنیوی خیر وفلاح اور ترقی وکامرانی میں سد راہ ثابت ہوتی ہیں، حالانکہ، یہ امر واقع کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت کی درخشاں تعلیمات کے مطابق روحانیت کو پامال کر کے مادیت کا حصول اور اصل زندگی کو خطرے میں ڈال کر اس فانی زندگی میں لذتوں کا حصول، محمود ومسعود نہیں بلکہ انتہائی معیوب و مذموم ہے جو انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا دیتا ہے اور ابدی سعادت وکامرانی کی منزل سے کوسوں دور کر دیتا ہے۔ حضرت علیؓ نہج البلاغہ میں جگہ جگہ اسی موقف کی تعبیر وتشریح کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت

علیؑ اس ترقی وکامرانی کے خواہاں نہ تھے جو اسلام کی سادگی کو قیصر وکسریٰ کے رنگ میں رنگ دے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ترک دنیا کی تعلیم و تلقین ہے۔ اس سے رہبانیت قطعاً مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ دنیوی سروسامان پر وہ تکیہ نہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی میں وہ خسارہ ومحرومی سے دوچار نہ ہوجائے۔ گویا فکر آخرت کو محور بناکر اعتدال کے ساتھ دنیا اوراسباب دنیا کو استعمال کیا جائے تودانشمندی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ کا یہ خطبہ دنیا کو حداعتدال برتنے سے متعلق نقوش راہ فراہم کرتا ہے:

مَا اَصِفُ مِنْ دَارٍ اَوَّلُهَا عَنَاءٌ وَآخِرُهَا فَنَاءٌ فِي حَلَالِهَا حِسَابٌ وَفِي حَرَامِهَا عِقَابٌ مَنِ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ وَمَنِ افْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ وَمَنْ سَاعَاهَا فَاتَتْهُ وَمَنْ قَعَدَ عَنْهَا وَاتَتْهُ وَمَنْ اَبْصَرَ اِلَيْهَا اَعْمَتْهُ۔ ۳۸

(میں اس دار دنیا کی حالت کیا بیان کروں کہ جس کی ابتداء رنج اورانتہا فنا ہو، جس کے حلال میں حساب اور حرام میں سزا وعقاب ہو۔ یہاں کوئی غنی ہو توفتنوں سے واسطہ اور فقیر ہو تو حزن وملال سے سابقہ پڑے۔ جودنیا کے لیے سعی وکوشش میں لگا رہتا ہے اس کی دنیوی آرزوئیں بڑھتی ہی جاتی ہیں اور جوکوششوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے دنیا خود ہی اس سے سازگار ہوجاتی ہے۔ جوشخص دنیا کو عبرتوں کا آئینہ سمجھ کر دیکھتا ہے تووہ اس کی آنکھوں کو روشن وبینا کردیتی ہے اور جوصرف دنیا پر ہی نظر رکھتا ہے تووہ اسے کورونابینا بنادیتی ہے)

والدہ ماجدہ اور پدر بزرگوار دونوں طرف سے ہاشمی النسب، سرور کونین ﷺ کے عم زادہ اورداماد، حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کرنے والے چارمایہ ناز السابقون الاوّلون کا مقام پانے والےفرزندان توحید میں ایک اور چھوٹی عمر کے لوگوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے ہونے والے، تمام غزوات میں نمایاں کردار کے مالک، عہدطفولیت سے ہی چشمۂ نبوت سے سب سے زیادہ فیض اٹھانے والے، جرأت وبہادری اورحق گوئی و بے باکی کی علامت ، فاتح خیبر باب مدینۃ الرسول اور شیر خدا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بے مثل خداداد اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔ بلاشبہ رب العالمین اوراحکم الحاکمین نے انھیں گوناگوں لاثانی صلاحیتوں سے نوازاتھا۔ نہج البلاغہ امیرالمؤمنین خلیفہ راشد کے خطبات، مکتوبات اورحکم ونصائح کا وہ عظیم الشان مجموعہ ہے جوچوتھی صدی میں السید شریف رضی کی شبانہ روز تلاش، اخلاص وللّٰہیت اور جہد مسلسل کا شاہکار ہے۔ایک طرف یہ بیش بہا گنجینۂ خطبات ومواعظ فکری لحاظ سے بلندیوں پر کمندیں ڈالے ہوا ہے اور ایمان وایقان ، اخلاص وللّٰہیت،حق گوئی وبے باکی، عدل وانصاف، ایثار وقربانی، صبر وشکر، زہدو ورع، انسانی ہمدردی وبشردوستی، دنیا کی بے ثباتی اورآخرت کی پایہ دار اور سرمدی

کامیابی، گویا تمام تر انسانی اور اخلاقی قدروں پر جامع گفتگو کے ذریعہ مثالی معاشرے کی راہ ہموار کی گئی ہے، اور اس پہلو سے اسے مرجع خلائق ہونے کا شرف حاصل ہے، تو دوسری طرف فن اور ادب کے لحاظ سے ایسا شہ پارہ ہے جو بلاشک وریب علم وفن کے شیدائیوں اور زبان وادب کے ائمہ واساتذہ کے لیے ہر دور میں مشعل راہ ثابت ہوا ہے۔

دنیا سے متعلق اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر در اصل قرآنی فکر کا ماحصل ہے۔ قرآن ایک طرف اس بات کو پرزور انداز میں کہتا ہے کہ رہبانیت کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور کامیابی وکامرانی کا حصول بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ والدین، بیوی بچے اعزہ واقرباء اور معاشرۂ انسانی کے دوسرے مستحق ومحتاج افراد کے حقوق ادا کیے جائیں۔ لیکن حقوق العباد سے متعلق یہ عظیم الشان فریضہ ترک دنیا اور عزلت نشینی سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ جائز حدود میں دنیا بھی حاصل کی جائے گی، خواہشات وضروریات بھی پوری کی جائیں گی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے لیے سرگرمِ عمل بھی دکھائی جائے گی۔ لیکن آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے، انسان اس دنیامیں مسافر ہے، دنیا اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ دنیا کے لیے نہیں پیدا کیا گیاہے، خواہشات نفس شریعت کے منافی نہیں ہیں یا انسانیت کی عظمت اس سے مجروح نہیں ہوتی بلکہ خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینا انسان کو کردار کے لحاظ سے قعرمذلت میں گرادیتا ہے، بلکہ بایں طور انسان جانور سے زیادہ گم گشتۂ راہ ہوجاتاہے۔ اگر یہ دنیا جائز طریقے سے ہے اور آخرت کی ابدی زندگی کا حصول دنیا اور سامان دنیا کے اکتساب واستعمال سے مخدوش ومجروح نہیں ہوتا تو گویا یہ وہ 'حسنۃ' ہے جو بندگان خدا کی شب وروز کی دعاؤں کا مرکز توجہ بنتی ہے۔ لیکن یہ دنیا آخرت کی ابدی اور قطعی کامیابی وکامرانی کوفراموش کرکے اور خواہشات نفس کا اسیر بن کے حاصل کی جارہی ہے اوراس کا استعمال اگرحدود وقیود کو بالائے طاق رکھ کر کیا جارہا ہے تو گویا یہ 'فتنہ' اور وبال ہے جو اس فانی دنیا میں بھی اس کی شناخت کو مجروح کردیتا ہے اورآخرت کی ابدی سعادت سے بھی محرومی کا سبب بنتا ہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے متعلق یہ درخشاں قرآنی افکار وہدایات توضیح وتشریح کی شکل میں نہج البلاغہ کے صفحات کی زینت ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر ایک شخص یا معاشرہ لازوال زندگی کی مسرتوں کو مطمح نظر بناتاہے اور اخوت ومحبت، عدل وانصاف اورانسانیت نوازی و ہمدرد خلائق کی خوشگوار فضا قائم کرکے اس تغیرپذیراور زوال آشنا عالم آب وگل کو بھی جنت نشاں بنادیتاہے۔

حواشی

۱۔ بشیر ساجد: عشرہ مبشرہ، ص ۶۴۱، طبع اول، ۱۹۹۳ء، مدینہ پبلشنگ سینٹر، دہلی

۲۔ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور: لسان العرب، الجزء الخامس، مادہ "ح،د،ر" ص۲۴۶، الدار المصریۃ للتالیف والترجمہ

۳۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی، الجزء الاول، ص۲۶۴، ۱۳۶۵ھ، دارالفکر

۴۔ H.A.R. Gibb, J.H. Kramers and others: The Encyclopaedia of Islam, vol.1 p.381, New Edition 1960, E.J. Brill, Leiden

۵۔ شمس الدین الذہبی: سیرُ اعلام النبلاء، الجزء الاول، ص۹۹، دارالمعارف، مصر

۶۔ بشیر ساجد: عشرہ مبشرہ، ص ۶۴۴-۶۴۵

۷۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، الجزء الثالث، ص۱۹-۲۳، ۱۳۷۷ھ، دار بیروت، للطباعہ والنشر

۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۴/۲، ص ۲۷-۳۰، طبع اول، ۱۹۸۲ء، دانش گاہ پنجاب، لاہور
تفصیلات ملاحظہ فرمائیں مرتضیٰ حسین فاضل کا مقالہ "علی بن ابی طالب"

۹۔ مفتی جعفر حسین (مترجم) نہج البلاغہ، ص ۱۸۱، خطبہ نمبر ۳۷، اضافہ شدہ ایڈیشن، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ

۱۰۔ سید ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، ص۱۳ (مقدمہ)، ۱۹۸۹ء، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۱۔ ملاحظہ فرمائیں نہج البلاغہ کے اردو ترجمہ میں حضرت سید العلماء کا 'حرف اول'، ص۱۸، اضافہ شدہ ایڈیشن، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۴/ ۲، ص ۶۹،

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۴/۲، ص۶۹

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۴/۲، ص۶۹-۷۰

۱۵۔ Cyril Glasse: The Concise Encyclopaedia of Islam.p35, 1989, Stacy International, London

۱۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی: المرتضیٰ، ص۳۲

۱۷۔ سورہ النحل، آیت ۹۷

۱۸۔ سورہ البیّنۃ، آیت ۶-۷

۱۹۔ سورہ الزلزال، آیت ۷۔۸
۲۰۔ سورہ القارعہ، آیت ۶۔۹
۲۱۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ ۲۰۱، ص۵۶۸
۲۲۔ سورہ الکہف، آیت ۷
۲۳۔ ملاحظہ ہو: سورہ آل عمران، آیت ۱۸۵، سورہ لقمان، آیت ۳۳، سورہ فاطر، آیت ۵، سورہ الحدید، آیت ۲۰
۲۴۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ نمبر۱۰۹، ص ۳۱۶۔۳۱۷
۲۵۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ نمبر۹۷، ص ۲۹۱
۲۶۔ سورہ التحریم، آیت ۶
۲۷۔ سورہ التین، آیت ۹
۲۸۔ سورہ الاسرا، آیت ۷۰
۲۹۔ سورہ الجاثیہ، آیت ۱۳
۳۰۔ سورہ الفرقان، آیت ۴۳۔۴۴
۳۱۔ نہج البلاغہ، ج۲، ص ۱۸۵
۳۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۳، سورہ الحدید، آیت ۲۱، سورہ الحشر، آیت ۱۸
۳۳۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۴، ص۱۲۴
۳۴۔ نہج البلاغہ، ج، ۲، ص۶۳۱
۳۵۔ سورہ القصص، آیت ۷۷، سورہ انفال، آیت ۲۸،
۳۶۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۰۱
۳۷۔ سورہ انفال، آیت ۲۸، سورہ التغابن، آیت ۵
۳۸۔ نہج البلاغہ، ج۱، ص ۲۲۶، خطبہ نمبر۸۰